

رسائل وسائل

رشتوں کا تقدس اور اخلاقی حدود کی پامالی

دو سوالات موصول ہوئے جن میں سوال کرنے والیوں نے اپنے اوپر گزرے واقعات کو بیان کر کے رہنمائی چاہی۔ ان کا کنجما جواب دیا جا رہا ہے۔ سوالات کی نوعیت جواب سے واضح ہو جاتی ہے۔ (ادارہ)

جواب: امت کی ان دو بیٹیوں کے سوالات نے ایک ایسے نازک معاشرتی مسئلے کی طرف متوجہ کیا ہے جو دل و دماغ کی چولیں ہلانے والا ہے۔ ہم نے صدیوں سے جو معاشرتی نظام ورثے میں پایا ہے اس میں اسلامی تعلیمات سے ذوری کے سبب بعض وہ خرامیاں ظاہر ہونے لگی ہیں جن کے لیے ہم بلا کسی تردود مغرب کی اباحت پسند تہذیب کو موردا الزام ٹھہراتے رہے ہیں۔ سرحد پار کے اُوی اور وڈیو پروگراموں کی طرح اب اپنی اُوی اور اپنی ورلڈ جو پروگرام پیش کر رہا ہے وہ خاندان کے تقدس اور تحفظ کو ناقابل برداشت حد تک بناہ کر دینے کے درپے ہیں۔ ایک ایسے گھر میں جہاں بچے اور بڑے ایک ساتھ بیٹھ کر وہ تمام مناظر دیکھیں جو شرم و حیا کے معانی ہوں تو آخرا کراس کا اثر بھی ہونا چاہیے کہ حرام و حلال کی تیز اور رشتوں کا تقدس بھی اس کی زد میں آجائے۔

ایک سوال میں یہ بات اخہائی لگتی ہے کہ ایک لڑکی اپنے سے عمر میں تقریباً ۱۰ سال زیادہ بڑے کزن کو اپنے بھائی کی طرح سمجھتی ہے لیکن وہی کزن ایک دن اسے تھاپا کر اچاک اس سے بغسل کیر ہونا چاہتا ہے اور وہ لڑکی کافی مراحت کے بعد اپنے آپ کو اس کی گرفت سے نکلتی ہے۔ یہ سانحہ اس لڑکی کے دل و دماغ میں طوفان برپا کر دیتا ہے اور وہ احساسِ گناہ کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ اصل مجرم کون ہے اور وہ کس طرح اپنے آپ کو احساسِ گناہ سے نجات دلائے؟ دوسرے سوال میں ایک ایسے گھر میں جہاں اندرین فلموں کے وڈیو اور دیگر لغوبیات کا چہ چاہے ایک بھائی اپنی حقیقی بہن کے ساتھ ایسی حرکات کرتا ہے جو آنکھ اور ہاتھ کے زنا کی تحریف میں آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے ماخول میں ایک ایسی لڑکی جو اس ماخول

کو برائی کھتی ہوا اور جسے اللہ نے ہدایت کی راہ بحمدی ہو کس طرح اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور برائی کا مقابلہ کرے؟

یہ بات یقین سے کبی جاسکتی ہے کہ امت کی ان دو بیٹیوں نے جس برائی کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے وہ انتہائی حساس اور خطرناک ہے لیکن اس طرف متوجہ کرنے سے قبل یہ بیٹیاں جس ڈھنی کرب، گومگوئی کیفیت اور ناقابل برداشت کرب سے گزریں، وہ امت کے ہزار شعور فرد کے لیے ایک تازیانے سے کم نہیں۔

کسی بھی انسانی معاشرے کے عروج یا زوال کا تعلق اس کی اخلاقی اقدار سے ہوتا ہے۔ اگر کہیں شرم و حیا، سچائی، وفاداری، پاس عہد اور رشتہوں کا احترام ثابت ہو جائے تو پھر اس معاشرے سے امن، سکون، محبت، فلاج اور سلامتی بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ مغربی لادینی تہذیب اپنی تمام ترمادی ترقیوں کے باوجود اس سکون سے عاری ہے اور اسی بنابر تیزی سے رو بہ زوال ہے۔

اب نظر یہ آ رہا ہے کہ مغربی لادینی معاشرے کی دیگر بہت سی خرابیوں اور قباحتوں کے ساتھ ہمارے خاندان کا لندن بھی پامال ہونے والا ہے۔ یہ سوالات اسی طالب علم کی غمازی کر رہے ہیں۔ ہماری نگاہ میں اس انتہائی مہلک صورت حال کا پہلا سبب گذشتہ ۵۵ سالوں میں ہماری اپنی اخلاقی اقدار سے بے توہنی اور قرآن و سنت کی واضح ہدایات کی خلاف ورزی ہے۔ ہم نے اسلام کو محض عبادات اور عقائد تک محدود کیجھ لیا اور شخصیت و کردار اور معاملات کو پس پشت ڈال دیا، جب کہ اسلام درحقیقت معاملات ہی کا دین ہے کہ ایک شخص کس طرح اپنے رب اور مالک حقیقی والدین، اہل خانہ، ہمسایہ، کاروباری شریک، حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ معاملہ کرے۔

اس کے ساتھ ہم نے مشرقی روایات و رواج کے نام پر وہ معاشرت اختیار کر لی ہے جو اسلام کے بنیادی مقاصد اور اصولوں سے مکسر ہے۔ حدیث شریف میں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں فرمادیا کہ جب بچہ اسال کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے۔ جب لڑکی باخ ہو جائے تو چہرے اور ہاتھ کے سواتمام جسم کو ڈھاک کر سامنے آئے۔ جن رشتہوں کے ساتھ نکاح جائز ہے وہ تنہائی میں ایک دوسرے کے ساتھ نہ بیشیں خصوصاً دیور کے حوالے سے شدت سے یہ بات فرمادی ہے کہ وہ اپنی بھاوج کے ساتھ تہانہ ہو، اور نہ وہ بے تکلفی اور بے جانی اختیار کی جائے جو ہماری نام نہاد مشرقيت کی پیچان ہے اور جس میں دیور اور بھاوج اس طرح گھلتے ٹلتے ہیں جس طرح حقیقی بھائی بہن کے لیے بھی جائز نہیں کیا گیا ہے۔

اسلام سے زیادہ صدر حجت کی دین میں نہیں پائی جاتی۔ وہ قطع حجت [تعلقات کے منقطع کرنے] کو حرام قرار دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ رشتؤں کا حق پرے احترام سے ادا کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی حیا کو ایمان کی پیچان قرار دیتا ہے، اور چاہتا ہے کہ خود ماں باپ بھی اپنی اولاد کے ساتھ اپنے طرز عمل کو عراور بلوغت کے لحاظ سے معین کریں۔ چنانچہ ایک حقیقی باپ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ وہ بے تکلفی نہیں برستا جو وہ اپنی بیوی کے ساتھ اختیار کر سکتا ہے۔ بیٹی کے احترام میں کھڑا ہو جاتا، اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت کا اظہار کرنا، اسلامی ثقافت اور تہذیب کی پیچان ہے۔ بھائی ہو یا باپ ان کے سامنے سر پر آنچل ہوتا، سینا اور دیگر اعضا کا ڈھکا ہونا سنت کی بیروی ہے۔ اس لیے کہلی فکر ماحول کی ہونی چاہیے کہ بچپن سے لڑکیوں اور لڑکوں کو یہ احساس ہو کہ عمر کے ساتھ ان کا ایک دوسرے کے جسم کو چھوٹا (body contact) کم سے کم ہونا چاہیے۔ ایسے ہی ان رشتؤں کا تہائی اختیار کرنا جن کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے حرام قرار دے کر خرابی کے مکن دروازے کو بند کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قلبِ مومن میں ایک ایسے محافظ کو بخدا دیا گیا جو ہر لمحے ہر عمل کو اس زاویے سے دیکھتا ہے کہ میرا کوئی عمل ہیا کے منافی تو نہیں۔

جب یہ رویہ اختیار کیا جائے تو گھر دنیا کی سب سے زیادہ محفوظ جگہ قرار پائے گا جہاں کوئی نفیاتی دباؤ اور احساسی گناہ جنم نہیں لے سکے گا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم ان رسوم و رواج سے اپنے آپ کو آزاد کریں جو ہمارے قبلی اسلام کے معاشرے کی باقیت ہیں۔

جہاں تک سوال کی گناہ کے ارکاب کی ذمہ داری کا ہے، اسلام کا اصول واضح ہے۔ اگر ایک شخص پر اس کی خواہش کے بغیر ایک برائی مسلط کر دی جائے تو تمام ذمہ داری اس فرد کی ہے جو پیش قدمی کرتا ہے، قوت کا استعمال کرتا ہے اور انکار کے باوجود ایک فرد پر زیادتی کرتا ہے۔ جو اپنے آپ کو بچانے کے لیے مراجحت کرے اس پر کوئی الزام نہیں۔ حتیٰ کہ اس کشکش میں اعتماد کو جو ناقابل تلقی نقصان پہنچا ہو، اس کی ذمہ داری بھی پیش قدمی کرنے والے پر ہے۔ چند لمحات کے لیے جو شخص مجبوراً غلطی کا شکار ہو وہ گناہ سے مبراء ہے۔ لیکن اس کے باوجود استغفار اور تو بہ اس کے ایمان کو مزید مضبوط کرنے اور ربِ کریم سے عاجزی کے ساتھ استقامت طلب کرنا قلبی سکون کے حصول کے لیے ضروری ہے۔

سے بھائی کی طرف سے جو غلط رویہ اختیار کیا گیا اسے والدین کے علم میں ضرور لانا چاہیے اور اگر وہ واقعی نفیاتی مریض ہو تو کسی صاحبِ ایمان مالہ نفیات سے مشورہ کرنا چاہیے۔ جہاں تک آپ کے اپنے نفیاتی صدے کا سوال ہے وہ بالکل فطری ہے لیکن آپ جیسی باشور مسلمان لڑکی نے جس ہمت اور اعتقاد سے اپنا تحفظ کیا ہے وہ پوری امت کے لیے باعث فخر ہے۔ ایسے موقع پر اعود باللہ من الشیطون الرجیم

کے ورد سے اللہ کی پناہ میں آتا اور ہر نماز کے بعد آیت الکرسی کا شعوری طور پر معنی کو سمجھتے ہوئے پڑھنا مزید تقویت کا باعث ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ برائی کے خلاف جہاد کی قوت میں اضافہ کرے گا۔ ان شاء اللہ! ضرورت اس بات کی ہے کہ گھریلو تربیت کے ذریعے ہر لڑکے اور لڑکی کو ان اخلاقی حدود سے آگاہ کیا جائے جو معاشرتی زندگی کی بنیاد ہیں۔ اللہ کے وجود کا احساس، اس کا تقویٰ اور آنحضرت میں جواب دینی کا شعور ہی وہ مضبوط بنیاد ہے جو انسان کو برائی سے بچاتی ہے، اور مراحت کرنے کے لیے قوت فرماهم کرتی ہے۔ نہ یہ سے نہ یہ ماحول میں بھی اگر اندر کا انسان جاگ رہا ہو اور قلب و دماغ پر اللہ کی حکومت ہو تو بظاہر ایک کمزور لڑکی بھی ایک پہلوان سے زیادہ قوت کے ساتھ برائی کے مقابلے پر ڈٹ جاتی ہے۔ کوشش کیجیے کہ اللہ کی محبت اور بندگی کا احساس قلب کی ہر دھڑکن میں سوجائے۔ یہی وہ اخلاقی اسلوب ہے جو سیرت و کردار کو مضبوط اور طرزِ عمل کو درست رکھتا ہے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

شہدا کے جسموں کا محفوظ رہنا

س: ان دونوں اکثر یہ پڑھتے ہیں آتا ہے کہ کسی شہید کی لاش کافی وقت گزرنے کے بعد بھی دیکھی گئی تو وہ تروتازہ تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآنی آیت کے مطابق وہ زندہ ہیں اور انھیں مردہ نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن دوسری طرف عام طبقی عوامل کے تحت گلنے سڑنے کا عمل بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس بنیاد پر شہادت پر ٹک کرتے ہیں۔ اس معاملے میں اصل میں حقیقی صورت کیا ہے؟ (اس سوال کا ایک جواب ہم رسالہ المجتمع (شمارہ ۱۵۱۸، ۱۳ اگست ۲۰۰۲ء) سے پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ)

ج: اس معاملے میں حقیقی صورت حال کو جاننے کے لیے مختلف فقہاء سے آراء حاصل کی گئیں۔ فقہاء کے استاد ڈاکٹر احمد سعید نے شہید کے جدید طاہر کے بارے میں وارد روایات کے بارے میں کہا ہے کہ نصوص میں صرف اس حد تک وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیاے کرام کے اجسام کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی بھی اور شخص کے جسم کی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض شہدا اور صالحین کے جسموں کی حفاظت کر کے ان پر خصوصی اکرام کرتا ہے۔ عموماً شہید کے جسم پر قدرتی عوامل اُسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح کسی بھی بیت کے جسم پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس بنیاد پر کسی کی شہادت کے بارے میں ٹک نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی شہید کے جسم کو ان عوامل سے خصوصی طور پر محفوظ رکھا ہے تو یہ اللہ کا عطا کردہ خصوصی اکرام و فضیلت ہے ہے وہ جس شہید کے ساتھ چاہے خصوصیں کر سکتا ہے۔ بیہقی میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ اُحد کے شہدا کی قبروں سے چشمہ پھوٹ لٹکنے